حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

قربِ الٰہی کے دو راستے

اہلِ ایمان کے لئے تقرب الی اللہ اور دینی و روحانی ترقی کے دو طریقے اور دو راستے ہیں جو ہمیشہ سے کھلے ہوئے ہیں اور بندگانِ خدا ہر زمانہ میں کم و بیش ان ہی پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچتے رہے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنی ہی اصلاح و ترقی اور اپنے ہی نفس کے تزکیہ و تحلیہ میں زیادہ سے زیادہ ساعی رہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے اپنے نفس کی حفاظت کا بیش از بیش اہتمام کرتے ہوئے جس قدر بھی ممکن ہو نفلی عبادات و قربات روزہ و نماز اور ذکر و فکر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہے۔ بعض ائمہ محققین کی اصطلاح کے مطابق اس طریقہ کو "قرب بالنوافل" کہا جاسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے پرہیز گاری کا اہتمام کرتے ہوئے اور اوقات میں گنجائش کے مطابق نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں بھی خاص اشغال رکھتے ہوئے اپنا زیادہ وقت اخلاص نیت کے ساتھ (یعنی محض رضاء الٰہی اور اجر اخروی کو مطمح نظر بنا کر) دوسرے بندگانِ خدا کی اصلاح و ہدایت، تعلیم و تربیت اور تبلیغ و نصیحت جیسے کاموں میں اور اعلاء کلمۃ الحق و احیاء شریعت کی کوششوں میں صرف کیا جائے۔

اس طریقہ کو "قرب بالفرائض" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اگرچہ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں سالکین راہ رضا اور طالبین قربِ مولیٰ کے لئے یہی عام شاہراہ تھی۔ لیکن بعد کے زمانوں میں بعض خاص اسباب کی وجہ سے اس راہ پر چلنے والوں کی کثرت نہیں رہی بلکہ معاملہ معکوس ہوگیا۔ یعنی اہل سلوک کے مختلف حلقوں میں میں زیادہ تر پہلے ہی طریقہ کو اختیار کیا گیا۔ اور اس سے بھی بڑا اور افسوسناک ذہنی تغیر یہ ہوا کہ بہت سے خانقاہی دائروں میں سلوک الی اللہ اور تقرب خداوندی کو صرف اسی پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) ہی میں منحصر بھی سمجھا جانے لگا۔ اور ان لوگوں کے خیال میں روحانی و دینی کمال صرف قرب بالنوافل ہی کا نام رہ گیا۔ مختلف زمانوں میں مصلحین و مجددین نے اس غلط خیالی کو محسوس کرکے اس کی اصلاح کی کوششیں

بھی کیں لیکن پھر بھی بہت سے خاص و عام حلقوں میں یہ غلط فہمی اب تک چلی آرہی ہے[1] جس کا افسوسناک اور نہایت مضرت رساں نتیجہ یہ ہے کہ امت کی عمومی تعلیم و تربیت، اصلاح و دعوت اور اقامت دین و احیاء شریعت کا وہ اہم بنیادی کام جو دینی نظام کے لئے گویا ریڑھ کی ہڈی ہے اور دین کی سرسبزی و شادابی جس پر موقوف ہے اور بلاشبہ جس کا اجر اور درجہ بھی اللہ کے نزدیک صرف نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے۔ آج ان عام و خاص حلقوں میں وہ ایک عمومی قسم کا اور معمولی درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے اور دینی و روحانی ترقی کے طالب اور قرب خداوندی کے جویا اپنے اس سفر میں اور اس مقصد کے لئے اس راہ سے چلنے اور اپنے اوقات اور اپنی ہمتوں کو اس رخ پر لگانے کا ارادہ بھی نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ میدان اصحاب ہمت و عزیمت سے خالی اور بے بازار سرد پڑا ہوا ہے حالاں کہ "شہسواروں" کی تگ و تاز کے لئے اصل جولانگاہ اور "شاہ بازوں" کی پرواز کے لئے اصل فضا یہی تھی۔

یہ کیوں ہے؟ اور یہ عام و خاص حلقے اس غلط فہمی اور غلط عملی میں کیوں مبتلا ہوئے اور کیوں اب تک مبتلا ہیں؟ اگرچہ یہ سوال اور اس کا جواب آج کے ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم اصل مدعا ہی کو سلجھانے کی خاطر اس بارہ میں اتنا عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عوام الناس کی غلط فہمی کا تعلق ہے سو اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) میں چونکہ سالک عوام کی دنیا سے الگ تھلگ رہ کر ہمہ تن عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے اور مشاغل دنیوی میں پھنسے ہوئے عوام اس طرز زندگی کو بے حد مشکل اور انتہائی درجہ کا غیر معمولی کام سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح کی مشکل اور غیر معمولی باتوں ہی سے متاثر ہونا اور ان کی خاص اہمیت و وقعت سمجھنا چونکہ عام انسانوں کا مزاج ہے اس لئے یہ بے چارے اسی طریق کو قرب الٰہی اور خدارسی کا خاص الخاص راستہ سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس طریق پر چلنے والوں سے خوارق و کشوف وغیرہ کا ظہور بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے بھی خیال عام اسی طریق کو خدارسی کا خاص راستہ اور اسی طرز زندگی کو سب سے بڑا دینی و روحانی کمال سمجھتا ہے۔

رہے اس خیال کے خواص، یعنی خود اہل سلوک کے وہ حلقے جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اور سلوک الی اللہ کو اسی طریق میں منحصر سمجھتے ہیں۔ سو اس کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے ایک عمومی اور اس جگہ قابل ذکر وجہ

---

[1] گذشتہ صدیوں میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اور ان کے بعد ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور ان کے خاص رفقاءؒ نے اس غلطی کی اصلاح کی طرف خاص اور مستقل توجہ فرمائی جیسا کہ "مکتوبات امام ربانی" اور "صراط مستقیم" کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔

یہ بھی ہے کہ اس طریق (قرب بالنوافل) میں یکسوئی کے ساتھ کثرت ذکر و فکر سے سالک کے باطن میں ایک گونہ لطافت و نورانیت اور ملاءِ اعلیٰ سے ایک طرح کی خاص مناسبت و موانست پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنے اندر کچھ آثار و انوار محسوس کرنے لگتا ہے اور بسا اوقات خاص "احوال و کیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے۔ اور دوسرے طریقہ (قرب بالفرائض) میں چونکہ عوام کے ساتھ بھی اختلاط رہتا ہے اور احوال و کیفیات کا ورود اس میں اس طرح سے عموماً نہیں ہوتا۔ یا بہت کم ہوتا ہے بہرحال پہلے ہی طریقہ کے ساتھ بہت سے اہلِ سلوک کی خصوصی دلچسپی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے۔

حالاں کہ یہ "احوال و کیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" اس فن کے اکابر و ائمہ کے نزدیک کوئی خاص مقصدی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا درجہ صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مبتدیانِ راہ سلوک کی ہمت افزائی کی جاتی ہے تاکہ شوق و طلب برابر ترقی پذیر رہے اور سعی و جہد کا قدم آگے بڑھتا رہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مشہور خلیفہ ملا یار محمد بدخشی کو ایک مکتوب میں انہی "مشاہدات و تجلیات" کے متعلق لکھتے ہیں۔

شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی فرمودہ اند۔ تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ

(مکتوب ۲۱۰ ج ۱)

شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی نے فرمایا ہے کہ یہ خیالی چیزیں ہوتی ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے۔

اور ایک دوسرے مکتوب میں جو ملا حاجی محمد لاہوری کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:۔

احوال و مواجید و علوم و معارف کہ صوفیہ را در اثنائے راہ دست میدہند نہ از مقاصد اند بل اوہام و خیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ[1]

(مکتوب ۳۶)

جو احوال و مواجید اور علوم و معارف صوفیہ پر اثنائے سلوک میں وارد ہوتے ہیں وہ مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ اوہام و خیالات کے قبیل کی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کو تربیت دی جاتی ہے

[1] حضرت مجددؒ کی ان عبارات کا مطلب یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ "احوال و کیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" شیطانی قسم کے وساوس و اوہام ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے (جیسا کہ خود حضرت مجدد ہی نے اسی مکتوب میں آگے چل کر وضاحت فرمائی ہے) کہ یہ بھی ایک درجہ میں انعامات الٰہیہ ہیں اور سالک کو ان سے بہت کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے بشرطیکہ ان سے ہمت افزائی ہی کا کام لیا جائے۔ اور سالک انہی کو مقصود و منتہا سمجھ کر ان میں پھنس کر نہ رہ جائے۔

بہرحال یہ انوار وتجلیات اور یہ احوال وکیفیات جن کا ورود "قرب بالنوافل" کے راستہ سے چلنے والے بہت سے سالکوں پر ہوتا ہے۔ اگرچہ وسیلۂ تربیت اور ذریعۂ ترقی ہونے کی حیثیت سے قابلِ شکر انعامات الٰہیہ ہیں، تاہم نہ یہ خود مقصود ومطلوب ہیں اور نہ ایسی دولت ہیں جس کے لئے "قرب بالفرائض" کا راستہ چھوڑ کر "قرب بالنوافل" ہی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضرت امام ربانیؒ ایک مکتوب میں خاص اپنے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔

ایں فقیر از نقد وقت خود می نویسد کہ مدتہا از علوم ومعارف واز احوال ومقامات در رنگ ابرنیساں ریختند وکارے کہ بایر کرد بعنایت اللہ سبحانہ کردند۔ والحال آرزوئے نہ ماندہ است الا آں کہ احیائے سنت از سنن مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات نمودہ آید واحوال ومواجید ارباب ذوق را مسلم باشد۔	یہ فقیر خود اپنی حالت لکھتا ہے کہ مدتوں علوم ومعارف اور احوال ومقامات ابرنیساں کی طرح برسے اور اُن کا جو نتیجہ نکلنا چاہئے تھا اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ پورا ہوا اور اب اس کے سوا کوئی ارمان اور آرزو نہیں رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کا احیاء کیا جائے اور اس کو رواج دیا جائے اور احوال ومواجید ارباب ذوق کو مبارک ہوں۔

مکتوب ۳۰ جلد ۱

قرب بالفرائض کی ترجیح وفضیلت کے وجوہ

قرب بالفرائض کے طریقہ اور اس سلسلہ کے مشاغل (مثلاً خدا فراموش انسانوں میں تبلیغ ودعوت، جاہلوں ناواقفوں کی تعلیم وتربیت اور اقامت دین واحیاء شریعت کے لئے جد وجہد وغیرہ) کو "قرب بالنوافل" کے طریقہ کے مقابلہ میں ترجیح وفضیلت کی یہ وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے خاص مشاغل ووظائف ہیں۔ اور وہ حضرات انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) خاص انہی کاموں کے لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ پس اپنی قوتوں اور اپنی ہمتوں کو انہی کے طریقے پر اخلاص واحتساب کے ساتھ ان کاموں میں لگانا، اور اسی جد وجہد کو اپنا خاص وظیفۂ حیات بنا لینا ان مقدس وبرگزیدہ ہستیوں کی خاص نیابت بلکہ ایک طرح سے ان کی رفاقت اور ان کے مقصد، اُن کی فکر اور ان کے درد میں شرکت ہے اور ایک غیر نبی کے لئے اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

علاوہ ازیں اس طریقہ کا فیض متعدی ہے کہ اس راہ کا چلنے والا اپنی اصلاح وتکمیل کے ساتھ ساتھ اور سینکڑوں ہزاروں بندگان خدا کی اصلاح وہدایت کا بھی ذریعہ بنتا ہے اور اس واسطے صحیح حدیث

من دل علیٰ خیر فلہ مثل اجر	جو شخص کسی آدمی کو کسی نیکی کی طرف راہ نمائی

فاعلہ (مسلم)

کرے تو اس شخص کو اس نیکی کے کرنے والے
ہی کی برابر الگ ثواب ملے گا۔

کے مطابق سینکڑوں ہزاروں انسانوں کے بے حساب و بے شمار اعمال خیر کے بھی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

نیز یہاں یہ بھی نکتہ خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ "قرب بالنوافل" کے طریق میں زیادہ سے زیادہ محنت و مجاہدہ کرنے والے اپنے گنے چنے فرائض کے علاوہ صرف اپنی نفلی عبادات و قربات ہی کا سرمایہ جمع کر سکتے ہیں۔ لیکن "قرب بالفرائض" کی راہ پر چلنے والے چونکہ سینکڑوں انسانوں کو ان کے بنیادی فرائض کی تبلیغ و تلقین کرتے اور تعلیم دیتے ہیں اس لئے ان کے حساب میں اپنے ذاتی فرائض و نوافل کے علاوہ ان سینکڑوں آدمیوں کے فرائض (اور نوافل) کا بھی اجر لکھا جاتا ہے۔ اور یہ معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ فرائض کا اجر نوافل سے بدرجہا زیادہ ہے اور نفس ایمان و اسلام کا درجہ تو یقیناً فرائض و نوافل سب سے زیادہ ہے۔ پس اللہ کا جو بندہ "قرب بالفرائض" کی راہ اختیار کر کے خدا و رسول سے بیگانہ اور حقیقت ایمان و اسلام سے ناآشنا قسم کے جاہلوں اور غافلوں کی تبلیغ کر کے اور ان کو تعلیم و تربیت دے کے دین سے آشنا کرتا ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں ان لوگوں کے نفس ایمان و اسلام کا اجر بھی لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ جو اس اجر بے حساب کا حساب بھی لگا سکے۔

نیز "قرب بالنوافل" کے طریق میں صرف اپنی زندگی تک ترقی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جہاں موت نے روح کو جسم سے الگ کیا اور سلسلۂ عمل ختم ہوا۔ ترقی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر "قرب بالفرائض" کی راہ میں جب تک اس کے دینی و علمی فیض کا سلسلہ جاری رہے (خواہ وہ واسطہ در واسطہ کی شکل میں قیامت تک ہی جاری رہے) برابر اعمال نامہ میں اندراج ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے درجات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

اور قطع نظر ان تفصیلات سے، سب سے اہم بات وہی ہے جو پہلے عرض کی گئی ہے۔ کہ "قرب بالفرائض" کا یہ راستہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے خواص اصحاب و حواریین کا راستہ ہے۔ اور اس کے مشاغل (تعلیم و تعلم دعوت و تبلیغ، اصلاح و ارشاد، اور اقامت دین و احیاء شریعت کی کوشش وغیرہ) ان حضرات کے خاص مشاغل ہیں۔ پس اس طریق کو اختیار کرنے والے اور ان کاموں کو سنبھالنے والے بلاشبہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کے اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی خلفاء ہیں۔ اگرچہ سیاسی نظام اور سیاسی طاقت والی خلافت ظاہرہ ان کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اصل امانت نبوی کی حفاظت اور تبلیغ و دعوت اور ماننے والوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کا کام بھی بلاشبہ ایک طرح کی خلافت نبوت ہی ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو

بے جا نہ ہوگا کہ مقصدی اہمیت اس کو زیادہ حاصل ہے ۔ اور بر وجہ احسن اور وسیع پیمانہ پر انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے "خلافت ظاہرہ" مقصود ہوتی ہے ۔

نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی غیر سیاسی خلافت (حضرت شاہ ولی اللہ کی اصطلاح کے مطابق خلافت باطنہ) اگر ایک مرکز اور نظام کے ساتھ ہو تو "خلافت ظاہرہ" تک بھی پہنچا دیتی ہے ۔ "استخلاف فی الارض" اور "تمکین دینی" کا انعام انہی فرائض اور انہی خدمات کی انجام دہی پر مرتب ہوتا ہے ۔ یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور یہی اس کی سنت ازلیہ ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ "خلافت نبوت" کے قیام کا صحیح راستہ صرف یہی ہے اور اس طریقہ اور اس ترتیب کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں پر جدوجہد کرنے سے اگرچہ "اپنی حکومت" قائم کی جا سکتی ہے لیکن خلافت نبوت قائم نہیں ہو سکتی ۔ والتفصیل لا یسعہ المقام

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ورنہ عرض کرنا یہی تھا کہ "قرب بالفرائض" کی شان بہت اعلیٰ و ارفع ہے اور اس کے مشاغل، تبلیغ و دعوت، تعلیم و تربیت، اصلاح و ارشاد اور اقامت دین و احیاء شریعت کے لئے جدوجہد وغیرہ کا درجہ اور اجر نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر ہی میں مشغول و منہمک رہنے سے یقیناً بہت زیادہ ہے بخصوصاً اس دور میں تو اس طریقہ اور ان مشاغل کی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ یہ زمانہ ہی عوامی تحریکات اور عمومی و جمہوری دعوتوں کا ہے ۔ اور مختلف مادی اور لادینی تحریکیں بے حد تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی عوام کو اپنی طرف جذب کرتی جا رہی ہیں ۔ ایسے وقت میں بھی اگر دین کی دعوت، دینی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کی جدوجہد وسیع پیمانے پر اور عوامی تحریک کے رنگ میں نہیں کی گئی اور اللہ کے وفادار اور اس کی رضا کے طلب گار بندے خدمت دین کے اس عمومی میدان میں نہ اترے تو دین کی امانت کا بس اللہ ہی حافظ ہے ۔

امام ابو اسحٰق اسفرائینی کا پرجوش اور ولولہ انگیز پیغام رہ رہ کر یاد آتا ہے ۔ ان کے زمانے میں جب عام مسلمانوں کا دین و ایمان بعض خاص گمراہانہ فتنوں کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا تو آپ اپنے عہد کے بعض ان اکابر و مشائخ کے پاس پہنچے جو دنیا و مافیہا سے یکسو ہو کر پہاڑوں کے غاروں میں عبادت و مجاہدہ میں معروف تھے اور کہا (اللہ اکبر کیسے درد سے کہا)

اکلۃ الحشیش انتم ھھنا و امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی الفتن ۔	جنگل کی سوکھی گھاس پر گذارہ کرنے والو تم یہاں ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت گمراہیوں میں مبتلا ہو رہی ہے

الغرض یہ کام یعنی مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت اور جاہلوں ناواقفوں کی دینی تعلیم و تربیت اور غافلوں، ناآشناؤں کو تبلیغ و دعوت کا کام اگرچہ ہر وقت اور ہر حال میں بہت بڑا اور بہت اہم کام ہے اور جیسا کہ تفصیل سے اوپر عرض کیا گیا۔ عند اللہ اس کا درجہ بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور امتیوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کمال اور ترقی کا کوئی مقام نہیں ہے۔ بقول حضرت مجددؒ

ہیچ کمالے بمرتبہ دعوت و تبلیغ نہ رسد فان احب عباد اللہ الی اللہ من حبب اللہ الی عبادہ و حبب عباد اللہ الی اللہ و ھو الداعی و المبلغ

(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۷۵ ج ۲)

کوئی کمال دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کو اس کے بندوں کا محبوب بنادے اور بندوں کو اللہ کا محبوب بنادے۔ اور وہ داعی اور مبلغ ہوتا ہے۔

لیکن بالخصوص ایسے زمانے میں کہ چاروں طرف سے مادیت اور لادینیت کے بادل امنڈ رہے ہوں اور دین سے غفلت و جہالت اور خدا فراموشی کی گھٹائیں نہایت تیزی سے دنیا پر چھائے چلی جا رہی ہیں۔ سو ایسے وقت میں تو ان کاموں کی قدر و قیمت اللہ کے یہاں بے حساب بڑھ جاتی ہے۔ حضرت مجددؒ ہی نے کیسی اچھی تمثیل میں فرمایا ہے:۔

مثلاً سپاہیان در وقت غلبہ دشمناں و استیلاء مخالفاں اگر اندک تردد می کنند آں قدر نمایاں میشود و اعتبار مے گردد کہ در وقت امن اضعاف آں در خیز اعتبار نمی آید۔

(مکتوب ۴۴)

مثلاً جو سپاہی دشمن کے غلبہ اور مخالفین کے چڑھ آنے کے نازک وقت میں تھوڑی سی بھی وفادارانہ جدوجہد کرتے ہیں وہ ایسا اعتماد اور امتیاز حاصل کر لیتے ہیں کہ عام امن و سکون کے وقت کئی گنا جانفشانی بھی کریں تو وہ اعتماد و اعتبار پیدا نہیں ہوتا۔

الحاصل ہر زمانہ میں خاص کر ہمارے اس دور میں دینی و روحانی ترقی اور قرب الہٰی و رضا خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ اور شاہراہ "قرب بالفرائض" ہی کا طریقہ ہے اور اس کے مشاغل مثلاً دعوت و تبلیغ، اصلاح و تعلیم اور اقامتِ دین و احیاء شریعت کے لئے جدوجہد کا درجہ اور اجر یکسوئی کے ساتھ نفلی عبادات اور ذکر و مراقبہ ہی میں منہمک و مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن "قرب بالفرائض" کی ان مشاغل کی یہ امتیازی حیثیت اور "قرب بالنوافل" کے مقابلہ میں ان کی یہ عظمت اور فوقیت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے

کہ ان کاموں میں اشتغال اخلاص واحتساب اور خشیت وانابت کی صفت کے ساتھ ہو اگر یہ نہیں ہے تو پھر ساری دوڑ دھوپ اور جدوجہد ایک بے روح عامیانہ تحریک یا ایک پیشہ اور حرفہ کے سوا کچھ نہیں ہے (اعاذنا اللہ منا من ذالک) اوران اوصاف (اخلاص واحتساب) کے حاصل ہونے کا عام آزمودہ اور عادتی ذریعہ ان اوصاف والوں کی صحبت ورفاقت اور تنہائیوں کے اوقات میں ذکروفکر کی کثرت ہے۔ان دونوں چیزوں کے اہتمام کے بغیر اخلاص واحسان جیسی کیفیات کا پیدا ہونا اگرچہ عقلاً ناممکن نہیں لیکن عادتاً دشوار اور اہل تجربہ کی شہادت کے مطابق شاذ ضرور ہے۔

ضروری استدراک اوپر کی سطروں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ رہے کہ "قرب بالنوافل" کے طریقہ کو ہم غلط یا غیر شرعی یا غیر فرضی سمجھتے ہیں، ہرگز نہیں! حاشا، ہزار بار حاشا ہماری گذارش کا مدعا تو صرف یہ ہے کہ "قرب بالفرائض" کا راستہ قابلِ ترجیح اور افضل ہے اور خصوصاً ہمارے اس زمانہ کے حالات اور دینی ضروریات کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بندے اس طریق کو اختیار کریں اور اپنی ہمتوں کو اسی رخ پر لگائیں۔

نیز ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ فی زماننا ماحول کے عمومی فساد کی وجہ سے اکثر طبیعتوں کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ کچھ مدت یک سوئی کے ساتھ ذکروفکر کے بغیر ان پر اخلاص واحسان کا رنگ بھی نہیں چڑھتا سو ایسے حضرات کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ تیاری کے طور پر کچھ دنوں اسی طریق پر چلیں لیکن مطمح نظر دین کی خدمت ونصرت ہی کے مشاغل کو بنائیں۔ اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عوامی دعوت وتبلیغ اور عوامی تعلیم وتربیت کا یہ کام جس کی طرف اس مضمون میں نے خصوصیت کے ساتھ دعوت دی ہے۔ اس سے ہماری مراد خاص متعارف وعظ گوئی نہیں ہے جس کے لئے علم دین کی ایک خاص مقدار ضروری ہے۔ بلکہ حقیقت دین سے ناآشنا طبقوں میں دین کا صحیح شعور پیدا کرنا اور کم از کم دین کی بنیادی باتوں کی ان کو تعلیم وتلقین کرنا اوراس درجہ کی عملی اصلاح کی کوشش کرنا اس سلسلہ کا ابتدائی کام ہے۔ جس میں ہر مسلمان اپنی صلاحیت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ لے سکتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ خود بھی تعلیم وتربیت حاصل کر سکتا ہے۔

اب ہم اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں۔

عن الحسن مرسلا - سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رجلین کانا فی بنی اسرائیل احدهما

حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کی بابت سوال

(باقی ص ۵۵ پر)